© rasailojaraid.com

مشاہدات وتاثرات — مولانا کوثر نیازی

عاشقِ رسولؐ، مردِ درویش اور شب زندہ دار ولی

الشیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الازہر نے دارالعلوم حقانیہ کو "الازہر القدیم" کا نام دیا

اب ٹھیک طرح یاد نہیں پڑتا قطعیت کے ساتھ تاریخ کون سی تھی مگر بات یہ جون یا جولائی ۶۵ء کی ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم، حضرت مولانا امین احسن اصلاحی اور راقم الحروف حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کی طرف سے جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائل پور کے سالانہ جلسہ میں مدعو تھے۔ یہیں پر ہم چاروں نے طویل غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا کہ ایک غیر سیاسی اور خالص دینی تنظیم قائم کی جائے جو عصرِ جدید کے تقاضوں کے مطابق ملتِ اسلامیہ میں حیاتِ تازہ پیدا کرنے کے لیے کام کرے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم واپس کراچی تشریف لے گئے تو انہوں نے ۵ ربیع الثانی ۸۰ھ (مطابق اگست ۶۵ء) ہم تینوں کو ایک خط لکھا۔ میرے کاغذات میں یہ مکتوب آج بھی موجود ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا:

"امید ہے مزاج قرینِ عافیت ہوگا۔ جس معاملے کے متعلق لائل پور کی مجلس میں بحث ومذاکرہ ہوا تھا اس پر پہلا ن مولانا بنوری صاحبؒ کی معیت میں باربار غور ہوتا رہا۔ غورِ مسلسل کے نتیجے میں ہم دونوں کی یہ رائے ہوئی کہ نظامِ کار کا خاکہ بنانے اور اس کی ابتدائی تفصیلات متعین کرنے کے لیے وہ بڑا اجتماع مناسب نہیں جس کی فہرست وہاں لکھی گئی تھی بلکہ اس کام کے لیے سرِ دست صرف ۷ آدمیوں کا اجتماع ہوجائے جو جماعت کے نظامِ کار کا ڈھانچہ بھی تیار کرے اور جماعت کی تشکیل بھی کردے۔ یہی جماعت درحقیقت اس کام کی سربراہ ہو نظم ونسق انہی کی رائے سے چلے، مشورہ اور تعاون دوسرے حضرات کا شامل رہے۔ ان سات حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہوں گے۔

۱۔ مولانا مفتی زین العابدین صاحب، ۲۔ مولانا عبدالرحیم اشرف ۳۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ۴ مولانا خیر محمد صاحب، ۵۔ مولانا کوثر نیازی ۶۔ مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ ۷۔ (راقم الحروف) محمد شفیع۔

تجویز یہ ہے کہ ۲۴-۲۵ر اگست ۱۹۶۵ء بروز منگل بدھ دو یوم یہ سات حضرات جمع ہوکر لائحہ عمل تجویز کریں۔ پھر دو روز کا وقفہ دے کر ۲۸ اگست ۶۵ء بروز ہفتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے علماء کا وسیع اجتماع ہو جس کی فہرست لائلپور کی مجلس میں لکھی گئی تھی۔ اس میں لائحہ عمل پیش کر کے کام کو آگے بڑھانے کی صورتیں نکالی جائیں۔ یہ دونوں اجتماع دارالعلوم کورنگی کراچی پل پر رکھے کہ یہ جگہ پرسکون ہے، شہر میں ہنگامے ہیں!"

حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کے مطابق ہم کراچی پہنچ گئے۔ ہم سات کی دو روزہ مجالس مشاورت کے بعد ۲۸ اگست کو بڑا اجتماع ہوا جس میں ملک کے طول و عرض سے کل پچیس اکابر علماء نے شرکت کی۔ ان حضرات کی فہرست اس دعوت نامے کے پیچھے موجود ہے جو حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا بنوریؒ نے سائیکلو اسٹائل کرا کے اپنے دستخطوں سے سب کو ارسال کیا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کا نام بھی اس فہرست میں شامل تھا۔

جن اکابر کا نام میں نے عرصہ سے سن رکھا تھا مگر جن سے شرفِ نیاز مجھے اب تک حاصل نہ ہو سکا تھا ان میں حضرت شیخ الحدیث بھی شامل تھے۔ میری خوش قسمتی کہ دارالعلوم کے جس کمرے میں میں ٹھہرا ہوا تھا، حضرت شیخ الحدیث کو بھی اسی کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ اس طرح تین چار دن حضرت کی صحبت میں رہنے اور انہیں قریب سے دیکھنے کا ایک ایسا موقعہ ہاتھ آیا جو بلاشبہ میری زندگی کے یادگار لمحوں میں شامل ہے۔ پاکستان کے بزرگ ترین علماء کے اس اجتماع میں "مجلس دعوت و اصلاح" کے نام سے ایک تنظیم بن گئی۔ یہ بڑے صحیح خطوط پر ایک اہم دینی مشن کا آغاز تھا مگر افسوس کہ بعد میں حضرت مفتی صاحب اور مولانا بنوریؒ صاحب کی تدریسی مصروفیات اور بعض دوسرے اسباب کی بناء پر کام آگے نہ بڑھ سکا مگر جیسا کہ اس مضمون کے سرعنوان سے ظاہر ہے مقصود اس وقت اس مجلس کے قیام کی تفصیلات کا جائزہ لینا نہیں۔ مقصد تو حضرت شیخ الحدیثؒ اور اپنی اولین ملاقات کا تذکرہ ہے۔ اس اجتماع اور اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب کے مکتوب کو نقل کرنے کی غرض تو بقول شاعر یہ ہے کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

دینی تحریکوں پر ریسرچ کرنے والے حضرات "مجلس دعوت و اصلاح" کے اغراض و مقاصد، شرکاء کی تفصیل اور اس کے اولین اجتماع میں ہونے والی تقاریر کا مطالعہ کریں تو انہیں اپنے موضوع پر بعض اہم تفصیلات حاصل ہو سکتی ہیں مگر اس وقت جیسا کہ عرض کیا گیا ہمارا مدعائے نگارش کچھ اور ہے۔

میں شیخ الحدیث سے ملا تو ان کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا۔ ان کا اس وقت کا سراپا اور بعض عادات اب تک میری نگاہوں میں ہیں۔ سرخ و سفید چہرے پر خوب صورت سفید براق ڈاڑھی، ڈیل ڈول متناسب، نہ دبلے نہ موٹے۔ چترال چغہ زیب تن، سر پہ دستار، پاؤں میں دیسی جوتا جسے عرفِ عام میں کھوسہ کہتے ہیں۔ چہرے پر ایسا بھول پن اور معصومیت کہ دیکھنے سے جی نہ بھرے۔ اتنے بڑے عالم مگر مظاہرہ علمیت کے طور طریقوں سے کوسوں دور، خلیق اور متواضع اتنے کہ میں دن اور رات میں جتنی مرتبہ کمرے میں آتا جاتا اور وہ اس سے پہلے وہاں تشریف فرما ہوتے تو اٹھ کر استقبال کرتے۔ میں ہر طرح ناچیز اور ہیچ مدان مگر اتنی شفقت فرماتے جیسے میں خادم نہیں مخدوم ہوں۔ ادب شناس رسولؐ اتنے کہ جب جب رسول پاکؐ کا نام لیتے ہر بار درود شریف ضرور پڑھتے کھانا برائے نام کھاتے البتہ چائے بقدر ظرف پیتے۔ صبح و شام ایک ایک چینک چائے نوش جان فرماتے اور اس وقت بڑے اہم علمی اور صوفیانہ نکات کی نزاوش ہوتی۔ عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جاتے اور رات کا پچھلا پہر عبادت میں گزارتے۔ میں نے ایسے لمحات میں مصلے پر ان کی گریہ و زاری بھی سنی ہے۔

دارالعلوم کراچی میں ہمارا قیام دو چار روز کا تھا مگر اس سے حضرت شیخ الحدیث سے اتنا قرب پیدا ہو گیا جیسے ہم ایک دوسرے کو برسہا برس سے جانتے ہیں۔ بس یہاں سے جو ان کی نوازشات کی ابتدا ہوئی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو اس کا سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا ہے۔

اس سے اگلے ہی سال انہوں نے مجھے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں طلبہ اور مدرسین سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ دارالعلوم کی وسیع و عریض مسجد میں اجتماع ہُوا۔ حضرت مولانا نے خورد نوازی میں اتنا غلو کیا کہ میری تقریر سے پہلے مجھے سپاس نامہ پیش کیا۔ اس موقع پر میں نے جو تقریر کی وہ میری کتاب "انداز بیاں" میں شامل ہے اس سپاس نامہ سے میرے جذبات میں جو ارتعاش پیدا ہُوا اس کا انعکاس اس تقریر ہی سے صاف دیکھا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کی ابتداء ۱۹۴۷ء میں حضرت نے اپنے گھر سے متصل ایک مسجد سے کی تقسیم سے پہلے آپ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد وہیں پر درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ (تنہا دیوبند کے زمانۂ درس میں ان کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ ہے)۔ پاکستان بننے کے بعد کسی پراپیگنڈہ اور پبلسٹی کے بغیر اس چھوٹی سی مسجد میں آپ کے درس کی شہرت آہستہ آہستہ اتنی پھیلی کہ خلقت ٹوٹ پڑی۔ دارالعلوم حقانیہ کا نام اتنا چمکا کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب نے اسے "دیوبند ثانی" کہہ کر پکارا۔ جامعہ الازہر قاہرہ کے وائس چانسلر محمد طیب افتخار اس کے معائنے کے لیے آئے تو اتنے متاثر ہوئے کہ اسے "الازهر القديم" کا نام دیا۔ میں نے جامعہ کا نظام اس میں طلباء کا قیام و طعام اور اس کا انتظام و انصرام دیکھا تو حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمتِ دینی کا نقش میرے دل پر بیٹھ گیا۔

❖

۱۹۷۰ء کا الیکشن ہُوا تو حضرت ہسپتال میں صاحبِ فراش تھے۔ آپ کے حلقہ انتخاب کے علماء کرام اور باشندگان کے وفود نے بالاصرار آپ سے تقاضا کیا کہ آپ الیکشن میں بطور امیدوار کھڑے ہوں مگر آپ کو اس میں سخت تردد تھا۔ بار بار فرماتے۔

"مجھے ان ہنگاموں سے بڑی وحشت ہے انسان تو کیا کسی چیونٹی سے بھی محاذ آرائی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ پھر انتخابات کے ہنگامے میں ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل، سب و شتم مبالغہ آمیز دعوے اور وعدے! میں ایسے میدان میں کیسے کود سکتا ہوں۔"

مگر لوگوں کے بار بار کے اصرار کے بعد بادل ناخواستہ آپ کو الیکشن میں حصہ لینا پڑا۔ نیشنل عوامی پارٹی کی طرف سے جناب اجمل خٹک اور پیپلز پارٹی کی طرف سے جناب نصر اللہ خٹک امیدوار تھے۔ دونوں حضرات صوبہ سرحد کی سیاست میں ممتاز مقام رکھتے تھے مگر حضرت مولانا نے انہیں بری طرح شکست دی اور اس طرح آپ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔

۷۱ء سے ۷۷ء تک حضرت شیخ الحدیث اور میں ایک ساتھ قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ اس زمانے میں بارہا ملاقاتیں بھی ہوئیں اور اجلاس کے دوران ایک ہی موضوع پر دونوں طرف سے اظہارِ خیال بھی، مگر نہ میں نے کبھی ادب کا دامن ہاتھ سے چھوڑا اور نہ کبھی انہوں نے شفقت اور حوصلہ افزائی سے دریغ کیا کبھی کبھی بحیثیت وزیر میں ان کے سوالات کا بھی جواب دیتا مگر خدا کا شکر ہے اس میں بھی کبھی کوئی سخن ترانہ بات نہ ہوئی۔ ایک بات سے میں ہمیشہ سخت حیران ہوتا پارلیمنٹ کی کارروائی میں اتنا بھرپور حصہ لینے کا وقت آپ کہاں سے نکال پاتے تھے۔ ۷۳ء کے آئین میں تنہا حضرت کی طرف سے ڈھائی سو ترمیمیں پیش ہوئیں۔ مجھے کوئی قرارداد یا اہم موضوع ایسا یاد نہیں جس پر دینی انداز سے کلام کرنے کی ضرورت ہو اور مولانا نے اس میں ہاؤس کی رہنمائی نہ کی ہو۔

۷۷ء میں الیکشن پڑا تو آپ پھر اسی حلقے سے کھڑے ہوئے۔ اب کے آپ کے دیرینہ مقابل جناب نصر اللہ خان خٹک صوبہ کے وزیر اعلیٰ تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تینوں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بلا مقابلہ منتخب کرا چکے تھے مگر خٹک صاحب کی مشکل یہ تھی کہ انہیں ایک مردِ درویش سے پالا پڑا تھا۔ اب کے پھر انہوں نے شکست کھائی۔ مولانا کو اپنے حلقے میں جو ہر دلعزیزی حاصل تھی اور دینی لحاظ سے لوگوں کے دلوں میں آپ کا جو مرتبہ و مقام تھا خٹک صاحب اسے بیان کرتے تو کہتے: "میں کیا کرتا میرے مقابل میں تو ایک دیو قامت کھڑا ہو گیا تھا۔"

ملک میں مارشل لا لگ گیا تو حضرت سے میرا رابطہ کم ہو گیا مگر پھر بھی میں جب بھی پشاور جاتا (اور سال میں ایک آدھ بار تو کسی نہ کسی تقریب کے حوالے سے اس کی نوبت آ ہی جاتی) میں راستے میں دارالعلوم ضرور رکتا اور آپ کی میزبانی سے لطف اندوز ہوتا۔ آپ ہمیشہ ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت کرتے۔

۸۵ء میں مارشل لا کے زیر سایہ غیر جماعتی الیکشن ہوئے تو آپ پھر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اسی زمانے میں سینٹ کا بھی الیکشن لڑا۔ میں اسلام آباد سے سینٹ کا امیدوار تھا اور میرا حلقہ انتخاب قومی اسمبلی کے تمام اراکین تھے۔ اس مقصد کے لیے میں نے چاروں صوبوں کا دورہ کیا۔ اکوڑہ خٹک میں جا کر حضرت شیخ الحدیث کے ہاں بھی حاضری دی۔ آپ اس وقت دارالعلوم سے گھر جا چکے تھے۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے مجھے وہیں لے گئے۔ اب آپ بیمار رہنے لگے تھے اور کہولت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے زیادہ چاق و چوبند نہیں رہے تھے مگر مجھے دیکھا تو کھل اٹھے۔ کھڑے ہو کر گلے لگایا، بار بار فرماتے: "آپ نے بڑا کرم کیا کہ آئے مگر کیا مجھ سے بھی ووٹ مانگنے کی ضرورت تھی؟" بعد میں جب اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا اور ہمارے الیکشن کے دن قریب تھے۔ اپنے صاحبزادے حضرت مولانا سمیع الحق سے تاکیداً فرماتے "نیازی صاحب کے لیے دوسرے اراکین قومی اسمبلی سے بھی میری طرف سے بات کرو۔ ان کی کامیابی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جانی چاہیے۔"

حضرت شیخ الحدیث ۱۹۱۴ء میں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا معروف گل اپنے علاقے کے متمول اور صاحب ثروت بزرگ تھے۔ انگریز کے خلاف صوبہ سرحد میں حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی کی تحریکِ آزادی ہماری تاریخ کا روشن باب ہے۔ انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حاجی صاحب اور ان کے رفقائے کار اس علاقے میں آتے تو انہی کے پاس قیام کرتے۔ مولانا عبدالحق صاحب پیدا ہوئے تو انہوں نے بڑے اہتمام سے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ ۸ سال کی عمر میں مولانا نے علمِ دین کی راہ میں ضلع کیمبل پور کا سفر کیا۔ پھر پشاور، طورو، مردان اور علاقہ چھچھ کے علمائے کرام کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ بعد میں ہندوستان آئے اور مختلف شہروں میں اکابر علماء سے کسب فیض کرتے ہوئے دیوبند پہنچے۔ یہاں پانچ سال آپ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب جیسے بزرگوں سے قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ واپس گھر آئے اور اپنے درس کا سلسلہ شروع کر دیا مگر جلد ہی دارالعلوم دیوبند سے آپ کو تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے بلاوا آ گیا۔ چنانچہ آپ دیوبند میں کئی سال تک مسندِ تدریس پر فائز رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد دارالعلوم حقانیہ کے قیام کا ذکر اوپر کی سطور میں پہلے ہی ہو چکا ہے اور ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ تنہا دارالعلوم کے زمانہ تدریس میں آپ سے تین ہزار علمائے کرام نے فیض حاصل کیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے والے علماء کی تعداد ساڑھے تین ہزار ہے تو کُل ساڑھے چھ ہزار علمائے کرام آج اقصائے عالم میں حضرت شیخ الحدیث کے صدقہ جاریہ کی بدولت خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔ افغانستان کے (باقی صفحہ ۲۹۸ پر)

© rasailojaraid.com